

## اقوال رسول ﷺ کی تشریعی حیثیت

\*ڈاکٹر حافظ حسین ازہر

In this article two main points are discussed. First is that Hazrat Muhammad's each word is law / Shariat if it is explained by him through the references of verses. It is said that each word which is expressed by Holy prophet is absolutely right because it is revelation. It should be acted upon. Some matters which are described by him on worldly affairs but it is not conformable to "Shara" so it is not necessary to follow such rules. Sometime one question arises in mind of reader that each word which has been uttered by Hazrat Muhammad is "Shariat or not" if it is shariat what is the level of this word?

According to theologians it is divided into two categories. Divine command is found in the matter of Sunnah. It is a duty of every person to follow it. If any event which get related to worldly affairs. It is depend on them whether it get accepted or rejected. This situation is permissible. It is not included in requital or sin. Although attention is good of doing any deed. It is considered reward. Sometime given instructions through Holy prophet are for specific person. However it is not Shariat for all Muslims.

اللہ کے نبی ﷺ کے اقوال کی حیثیت سے اصولی طور پر یہ بات مد نظر رکھنی چاہیے کہ آپ ﷺ کا ہر قول شریعت ہے بشرطیکرو وہ تشریع کے لیے آپ سے صادر ہوا ہو۔ کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمَا يُنْطِلُقُ عَنِ الْهُوَى إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَى﴾ (النجم)

”اور وہ (نبی ﷺ) اپنی خواہش نفس سے کلام نہیں کرتے۔ (اور جو بھی وہ کلام کرتے ہیں) وہ وحی ہی ہوتی ہے جو کہ وحی کی جاتی ہے۔“

قرآن کی مذکورہ بالآیت اور اس فقہ کی روایات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے جو کلام بھی شرع بیان کرنے کے لیے کیا ہے وہ قابل اتباع ہے۔ لیکن اس میں بھی کوئی شک نہیں ہے کہ آپ ﷺ کا ہر قول کسی شرعی حکم کو بیان کرنے کے لیے نہیں ہوتا تھا۔ بعض اوقات آپ ہماری طرح دنیاوی امور میں بھی گفتگو کرتے تھے۔ الدکتور عبدالکریم زیدان لکھتے ہیں:

وأقوال النبى ﷺ إنما تكون مصدرا للتشريع، إذا كان المقصود بها بيان

\* استنسخت پروفیسر یونیورسٹی آف دیززی اینڈ انیمیل سائنسز، لاہور

الأحكام أو تشرعها، أما إذا كانت في أمور دنيوية بحثه لا علاقة لها بالتشريع، ولا مبنية على الوجه، فلا تكون دليلاً من أدلة الأحكام، ومن ذلك ما روى: فقال لهم: ((أَبْرُوا، أَنْتُمْ أَعْلَمُ بِأَمْوَالِ دِيْنِكُمْ)) (١)

”اللہ کے بنی اسرائیل کے اقوال صرف اس وقت مصدق شریعت ہوں گے جب ان سے آپ کا مقصود احکام شرعیہ کو بیان کرنا ہو۔ لیکن اگر آپ نے بعض دنیاوی امور کے بارے میں کچھ گفتگو ایسی فرمائی جس کا شریعت سے کوئی تعلق نہ ہو تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ایسا کلام احکام شرعیہ کے لیے کوئی دلیل نہیں بنے گا اس کی ایک مثال یہ روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مدینہ کے بعض لوگوں کو دیکھا کہ وہ زکھور کے ساتھ مادہ بکھور کی پیوند کاری کرتے تھے۔ آپ نے لوگوں کو ایسا کرنے سے اشارہ منع کر دیا جس کو وجہ سے اگلی فعل کم ہوئی تو آپ نے صحابہؓ کو حکم دیا کہ: ”پیوند کاری کرو، کیونکہ دنیاوی امور کو تم زیادہ بہتر جانتے ہو۔“

رسول ﷺ کا ہر قول ہمارے لیے شریعت ہے یا نہیں، اور اگر ہے تو اس میں کوئی درجہ بندی بھی ہے یا نہیں؟ اس بات کی وضاحت اس لیے از حد ضروری ہے کہ ناقصیت کی بنا پر سنت رسول ﷺ کے معاملے میں دو ایسی انتہائیں وجود میں آ جاتی ہیں جو سنت کی حیثیت کو افراط و تفریط کا شکار کر کے اہل سنت کے منج سے دور لے جاتی ہیں جو گمراہی کا پیش نہیں ہے۔

ا۔ حضرت جریر بن عبد اللہؓ فرماتے ہیں:

”میں نے اللہ کے رسول ﷺ سے اپاچنک (کسی اجنبی عورت پر) نظر پڑ جانے کے بارے میں پوچھا تو آپ نے جواب دیا: ((اَصْرِفْ بَصَرَكَ)) (٢)، ”اپنی نظر پھیلوا۔“

امام ابن تیمیہؓ نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔ (٣) علامہ البانیؓ نے بھی اسے صحیح کہا ہے۔ (٤)

اس حدیث میں آپ ﷺ نے کسی اجنبی عورت پر اپاچنک نظر پڑ جانے کی صورت میں اس سے اپنی نظر میں پھیرنے کا حکم دیا ہے یہ حکم فقهاء کے نزدیک وجب کا فائدہ دے رہا ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ اگر کوئی شخص آپ ﷺ کے اس حکم کا انکار کر دے تو اس شخص کا کسی اسلامی معاشرے میں حکم (status) کیا ہے؟ کیا ایسا شخص کافر ہے؟

جمہور علماء مالکیہ، شافعی، حنابلہ، اہل الظاہر اور اہل الحدیث کے نزدیک اگر اللہ کے رسول ﷺ کی سنت سے کوئی ایسا حکم ثابت ہو جس کے کرنے کو لازم ٹھہرایا گیا ہو تو اسے فرض یا واجب کہتے ہیں۔ لہذا فرض یا واجب وہ ہے جس کے کرنے کو شارع نے مکلف پر لازم ٹھہرایا ہوا اور اس کو نہ کرنا بابعث ملامت بھی ہو اور اس کا تارک آخرت میں سزا کا بھی مستحق ہو۔ تمام ائمہ اہل سنت مالکیہ، احناف، شافعی، حنابلہ اور اہل الحدیث کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اگر کسی فعل کی فرضیت یا وجوبیت اللہ کے رسول ﷺ کی سنت (یعنی خبر واحد) سے ثابت ہو، ہی

ہوا و کوئی شخص اس فرض یا واجب کو مانے سے انکار کر دے تو اس کے منکر کو دنیا میں ملامت کی جائے گی اور وہ

آخرت میں سزا کا بھی مستحق ہو گا، لیکن اس کی تکفیر نہیں کی جائے گی۔ اشخ عاصم الحداد لکھتے ہیں:

”اعقادی مسائل میں دوسراے تمام ائمہ حنفیہ متفق ہیں کہ فرض یا واجب کی وقتیں ہیں: ایک وہ

جس کے منکر کی تکفیر کی جاتی ہے اور اس سے مراد وہ فرض یا واجب ہے جس کا علم قرآن یا تواتر کے

ذریعہ ہوا ہو اور دوسرا وہ جس کے منکر کی تکفیر نہیں کی جاتی اور اس سے مراد وہ فرض یا واجب ہے جس

کا علم اخبار آحاد کے ذریعہ ہوا ہو۔“ (۵)

خلاصہ کلام یہ ہے کہ ایسی سنت کے منکر پر دنیا میں کفر کا فتویٰ نہیں لگایا جائے گا لیکن اس کو سخت ملامت کی جائے گی اور آخرت میں بھی سزا کا مستحق ہو گا۔ اسی طرح ایسی سنت کے تارک کو بھی دنیا میں ملامت اور آخرت میں سزا ہو گی۔ یہ بات ذہن میں رہے کہ خبر واحد سے ثابت ہونے والے کسی حکم کی فرضیت یا وجوبیت پر اگر علمائے امت کا اجماع ہو تو پھر اس سنت کے منکر کی اجماع کی خلاف ورزی کی وجہ سے تکفیر کی جائے گی۔

۲۔ بعض اوقات اللہ کے رسول ﷺ کے اقوال سے استحباب ثابت ہوتا ہے۔ مستحب سے مراد یہ ہے کہ شارع نے کسی کام کے کرنے کا مطلبہ کیا ہو لیکن اس کو مکلف پر لازم قرار نہ دیا ہو۔ بعض اوقات مستحب میں تاکید زیادہ ہوتی ہے اور بعض اوقات کم۔ اسی لیے فقہاء نے اس کی وقتیں کی ہیں، یعنی موکدہ اور غیر موکدہ۔ آپ ﷺ کے اقوال سے بعض اوقات سنت موکدہ ثابت ہوتی ہے۔ مثلاً آپ کا ارشاد ہے:

((إِذَا دَخَلَ أَحَدُكُمُ الْمَسْجَدَ فَلْيَرْكُعْ رَكْعَتَيْنِ قَبْلَ أَنْ يَجْلِسَ)) (۶)

”جب تم میں سے کوئی مسجد میں داخل ہو تو وہ بیٹھنے سے پہلے دور کیتیں پڑھ لے۔“

امام ابن حجر اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

وأتفق أئمّة الفتوى أنَّ الْأَمْرَ فِي ذَلِكَ لِلنَّدَبِ (۷)

”ابل فتویٰ کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اس حدیث میں امر کا صیغہ استحباب کے لیے ہے۔“

الہذا خلیفہ المسجد کی دور کیات سنت موکدہ ہے۔ جہاں تک اس بات کا معاملہ ہے کہ یہ کیسے معلوم ہو گا کہ اگر آپ ﷺ کا قول و جوب کے لئے نہیں ہے تو پھر سنت موکدہ ہے یا غیر موکدہ؟ اس کا تعین بھی قرآن سے ہو گا اور یہ قرآن منصوص بھی ہو سکتے ہیں، مثلاً دوسری احادیث مبارکہ اور غیر منصوص بھی، مثلاً صحابہؓ کا عمل وغیرہ۔ جہاں تک سنت موکدہ کے حکم کا تعلق ہے تو ہم پہلے بھی اسے بیان کر چکے ہیں کہ سنت موکدہ کے منکر کی تکفیر نہیں کی جائے گی۔ اس پر عمل کرنے والے کو ثواب ہو گا اور اس کے تارک کو دنیا میں ملامت کی جائے گی، لیکن آخرت میں عذاب نہیں ہو گا۔ سنت موکدہ کے حکم کے بارے میں دو احتجاث بڑی اہم ہیں:

۱۔ اگر کوئی شخص کسی سنت موکدہ کو مستقل طور پر ترک کر دے تو یہ جائز نہیں ہے۔ مثلاً کوئی ساری زندگی

صرف فرض نماز پڑھتا رہے اور سنن مؤکدہ ادا نہ کرے تو شرعاً گناہ گار ہو گا۔

ب: اگر کوئی معاشرہ جماعت یا گروہ کسی سنت مؤکدہ کو کلی طور پر ترک کر دے تو یہ جائز نہیں ہے۔ امام شاطئؒ نے اس بارے میں 'الموافقات' میں بڑی عمدہ بحث کی ہے کہ ایک سنت مؤکدہ فرد کے اعتبار سے تو سنت ہوتی ہے لیکن اجتماع یا معاشرے کے اعتبار سے فرض کفایہ ہوتی ہے۔ مثلاً نکاح کرنا جمہور علماء کے نزدیک سنت مؤکدہ ہے۔ اگر کوئی شخص ذاتی طور پر نکاح کی ضرورت محسوس نہ کرے یا کسی اور وجہ سے نکاح نہ کرے تو دنیا میں تو اسے بغیر کسی شرعی عذر کے نکاح نہ کرنے پر ملامت کی جائے گی لیکن آخرت میں وہ عذاب کا مستحق نہ ہو گا، لیکن کسی مسلمان معاشرے کے لیے یہ بالکل بھی جائز نہیں ہے کہ وہ اجتماعی طور پر نکاح کی سنت کو ترک کر دے۔ ایسی صورت میں سارا معاشرہ گناہ گار ہو گا اور آخرت میں عذاب الہی کا مستحق ہو گا۔

بعض اوقات رسول ﷺ کے قول سے کسی فعل کے مستحب ہونے کا علم ہوتا ہے اور یہ فعل سنت

غیر مؤکدہ ہوتا ہے نہ کہ سنت مؤکدہ۔ مثلاً آپ ﷺ کے ایک فرمان کے الفاظ ہیں:

((إِنَّ الْيَهُودَ وَالنَّصَارَى لَا يَصْبِعُونَ فَحَالُوْهُمْ)) (۸)

"یہود اور عیسائی خضاب نہیں کرتے۔ پس تم ان کی مخالفت کرو (یعنی خضاب کرو)۔"

یہود و نصاریٰ کی مخالفت کے قرینے سے یہ محسوس ہوتا ہے کہ اس حدیث میں حکم وجوب کے لیے ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ حکم استحباب کے لیے ہے جیسا کہ صحابہؓ کے عمل سے ظاہر ہوتا ہے کیونکہ حضرت ابو بکر اور حضرت عمر وغیرہ خضاب کرتے تھے جبکہ حضرت علیؓ، حضرت انسؓ، حضرت ابی بن کعب اور حضرت سلمہ بن اکوئؓ وغیرہ خضاب نہیں کرتے تھے۔ (۹) ایک اور روایت میں حضرت عبداللہ المزني فرماتے ہیں کہ رسول ﷺ نے فرمایا:

((صَلُّوا قَبْلَ صَلَادَةِ الْمَغْرِبِ))، قَالَ فِي التَّالِيَةِ: ((لِمَنْ شَاءَ)) كَرَاهِيَّةً أَنْ

يَتَخَذَّلَهَا النَّاسُ سُنَّةً (۱۰)

"مغرب کی فرض نماز سے پہلے نماز (دور کعت نفل) پڑھو۔ آپؐ نے یہ بات تین مرتبہ ہی کی اور تیسرا مرتبہ یہ اضافہ کیا کہ "جو چاہے پڑھ لے۔" اور آپؐ نے تیسرا مرتبہ "جو چاہے کے الفاظ اس لیے کہ کلوگ اس کو سنت (مؤکدہ) نہ سمجھ لیں۔"

اس حدیث میں "لِمَنْ شَاءَ" کے الفاظ سے واضح ہو گیا کہ آپؐ کا حکم استحباب کے معنی میں ہے۔ دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ صحابہؓ سنت کا لفظ سنت مؤکدہ (یعنی ایسی سنت جس کا چھوٹا ناباعث ملامت ہو) کے لیے بھی استعمال کرتے تھے، اسی لیے صحابیؓ نے یہوضاحت کی کہ آپؐ نے "لِمَنْ شَاءَ" کے ذریعے واضح کیا کہ کلوگ اس عمل کو سنت (مؤکدہ) نہ بنالیں۔

۳۔ بعض اوقات رسول ﷺ کا قول مبارک کسی فعل کی اباحت بیان کرنے کے لیے ہوتا ہے۔ مثلاً:

((حَدَّثْنَا عَنْ بَنِي إِسْرَائِيلَ وَلَا حَرَجَ)) (۱۱)

”بنی اسرائیل سے بیان کرو (یعنی اسرائیلی روایات) اور اس میں کوئی گناہ نہیں ہے۔“

اس حدیث میں اللہ کے رسول ﷺ نے قرآن مجید میں بنی اسرائیل سے متعلقہ مجمل واقعات کی تفصیل کے لیے بنی اسرائیل سے روایت کرنے کی اجازت دی ہے۔ اس حدیث میں ’حَدَّثْنَا‘، امر کا صیغہ نہ ہی وجوب کے لیے ہے اور نہ ہی استحباب کے لیے بلکہ یہ اباحت کے لیے ہے، یعنی بنی اسرائیل سے روایت کرنا جائز ہے بشرطیکروہ روایت احکام شرعیہ سے متعلق نہ ہو اور دوسرے یہ کہ وہ شریعت اسلامیہ کے بنیادی عقائد یا تعلیمات کے خلاف نہ ہو۔ امام ابن حجر اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدثنا صيغة أمر تقتضى الوجوب فأشار إلى عدم الوجوب وأن الأمر

فيه للاباحة بقوله ولا حرج (۱۲)

”حَدَّثْنَا“ صیغہ امر ہے جو وجوب کا مقاضی ہے، لیکن آپؐ نے اس فعل کے عدم و جوب کی طرف اشارہ کیا ہے۔ لہذا یہاں امر اباحت کے معنی میں ہے جیسا کہ ”ولَا حَرَجَ“ کے الفاظ اس کی اباحت کی دلیل ہیں۔“

مباح کی تعریف اور حکم کے بارے میں الدکتور عبدالکریم زیدان لکھتے ہیں:

المباح: هو ما خير الشارع المكلف بين فعله و تركه، ولا مدح ولا ذم

على الفعل والترك..... وان حكم المباح أنه لا ثواب فيه ولا عقاب، و

لكن قد يثاب عليه بالنية والقصد كمن يمارس أنواع الرياضية البدنية

بنية تقوية جسمه، ليقوى على محاربة الأعداء (۱۳)

”مباح سے مراد یہ ہے کہ شارع نے مکلف کو کام کے کرنے یا نہ کرنے کے بارے میں اختیار دیا ہو۔۔۔۔۔ مباح کا حکم یہ ہے کہ اس میں نہ ثواب ہے اور نہ گناہ، لیکن اگرچہ نیت اور ارادے سے کوئی مباح کام کرے گا تو اس کا ثواب ہوگا۔ مثلاً کوئی شخص اس لیے ورزش کرتا ہے تاکہ اس کا جسم مضبوط ہو اور وہ دین اسلام کے دشمنوں سے جہاد کرے تو اس ورزش کا بھی ثواب ہوگا۔“

فرض، واجب اور مستحب کی طرح مباح کے قواعد و ضوابط کے بارے میں بھی اصولیں نے اصول کی کتابوں میں تفصیلی بحثیں کی ہیں۔ مثلاً ایک بحث یہ ہے کہ کسی فعل کے مباح ہونے کے کیا قرآن اور دلائل ہوتے ہیں۔ اس بارے میں الدکتور عبدالکریم زیدان نے ”الوجيز“ میں عمدہ بحث کی ہے۔ امام شاطبیؒ بھی ”الموافقات“ میں مباح کے حوالے سے بڑی تفصیلی بحث لے کر آئے ہیں۔ مثلاً امام شاطبیؒ فرماتے ہیں کہ بعض اوقات ایک مباح فعل فرض یا مستحب بھی بن جاتا ہے اور بعض اوقات مکروہ یا حرام بھی۔ مثلاً قرآن میں

﴿كُلُوا وَاشْرِبُوا﴾ کا حکم ہے جو کہ اباحت کے لیے ہے، یعنی جو چاہے کھانا کھائے اور جو چاہے نہ کھائے، لیکن اگر کوئی شخص مستقل کھانا چھوڑ دے اور موت کے قریب پہنچ جائے، جیسا کہ بھوک ہڑتاں میں ہوتا ہے تو اب اس کے لیے یہی حکم (یعنی کھانا کھانے کا) فرضیت کے درجے میں ہو گا۔ اسی طرح اپنی بیوی سے مباشرت نہ کرنا ایک مباح فعل ہے، لیکن اس مباح فعل پر مداومت اس فعل کو حرمت کے درجے تک پہنچادے گی۔

قرآن و سنت میں امر کا صیغہ ہر وقت و جو ب کے معنی میں نہیں ہوتا، جیسا کہ ناواقف لوگوں کا خیال ہے۔ امام سبکی نے ”جمع الجواب“ میں امر کے صیغہ کے ۲۶ معانی کا تذکرہ کیا ہے۔ بعض اصولیین نے امر کے صیغہ کے سترہ اور بعض نے سولہ معانی بھی بیان کیے ہیں۔ مثلاً و جو ب، ندب، اباحت، تہدید، ارشاد، تاذیب، انذار، امتنان، اکرام، امتحان، تکوین، تعبیر، اہانت، تسویہ دعا، تمکنی اختقار، خبر، اعتبار، تجرب، مکنذیب، مشورہ، ارادہ، اتناں، اذن، انعام اور تقویض وغیرہ۔ اصولیین نے امر کے یہ تمام معانی قرآن و سنت کی نصوص سے ثابت کیے ہیں۔ طوالت کے خوف سے ہم ان تمام نصوص کو بیان نہیں کر رہے۔ مثال کے طور پر ﴿إِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ﴾ میں امر کا صیغہ دعا کے معنی میں ہے ﴿فَذُقْ حَانَكَ أَنْتَ الْعَزِيزُ الْكَرِيمُ﴾ (الدُّخان) میں اہانت کے لیے ہے اور ﴿أَعْمَلُوا مَا شِئْتُمُ﴾ (الحمد السجدة: ۴۰) میں تہدید کے لیے ہے۔

رسول ﷺ کی وہ سنن جو کسی فعل کی اباحت سے متعلق ہیں، ان سنن پر عمل یا ان کی ترغیب و تشویل دین اسلام کا مطلوب و مقصود نہیں ہے، سو ائے اس کے کہ وہ مباح استحباب یا وجوب کے درجے کو پہنچ جائے جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔

۲۔ بعض اوقات آپ ﷺ کے قول سے کسی فعل کی کراہت ثابت ہوتی ہے۔ حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ آپؐ کافرمان ہے: ((لَا يَمْسِشُ أَحَدُكُمْ فِي نَعْلٍ وَاحِدَةٍ)) (۱۲)

”تم میں سے کوئی شخص ایک جو تے میں نہ چلے۔“

اس حدیث میں آپ ﷺ نے ایک جوتا پہن کر چلنے سے منع فرمایا، لیکن ایک جوتا پہن کر چلانا حرام نہیں ہے بلکہ مکروہ ہے۔ لہذا اس حدیث میں نہیں کا صیغہ کراہت کے لیے ہے۔ امام نوویؓ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

يكره المشى في نعل واحدة أو خف واحد (۱۵)

”ایک جو تے یا ایک موزے میں چلانا مکروہ ہے۔“

امام ترمذیؓ نے بھی اس حدیث کو بیان کرنے کے لیے ما جاء في كراهيۃ المشى في النعل الواحدة، کے الفاظ سے باب باندھ کر اس فعل کی کراہت کی طرف اشارہ کیا ہے۔

اصولیین کی تعریف کے مطابق مکروہ سے مراد وہ فعل ہے جس کے نہ کرنے کا شارع نے حکم دیا ہو لیکن

القلم... جون ۲۰۱۳ء

اقوال رسول ﷺ و تشریحی حیثیت (320)

اس کے نہ کرنے کو لازم نہ ٹھہرایا ہو۔ مکروہ کو ترک کرنا اولیٰ ہے۔ الدکتور عبد اللہ میریم زیدان مکروہ کے حکم کے بارے میں لکھتے ہیں:

و حکم المکروہ أن فاعلہ لا یأثم و إن کان ملوما و أن تار کہ یمدح و  
یشاب اذا کان ترک لله (۱۶)

”مکروہ کا حکم یہ ہے کہ اس کا کرنے والا گناہ گارنہ ہو گا اگرچہ اس کو ملامت کی جائے گی اور اس کا تارک قابل مدح اور ثواب کا مستحق ہے جبکہ اس نے اس فعل کو اللہ کے لیے ترک کیا ہو۔“

احناف اس مکروہ کو مکروہ تنزیہ کہتے ہیں جبکہ جمہور علماء صرف مکروہ کہتے ہیں۔ تمام ائمہ اہل سنت کے نزدیک اس کے منکر کی تکفیر نہیں ہوگی۔ عامۃ الناس کو مکروہات سے بچنے کی ترغیب و تشویق بھی دلائی جائے گی۔ ۵۔ بعض اوقات رسول ﷺ کے قول سے کسی فعل کی حرمت معلوم ہوتی ہے۔ مثلاً آپ ﷺ کا فرمان ہے:

((لَا يَعِدُ بَعْضُكُمْ عَلَى بَيْعٍ بَعْضٌ وَلَا يُخْطُبُ بَعْضُكُمْ عَلَى خَطْبَةٍ بَعْضٌ)) (۱۷)

”تم میں سے کوئی اپنے بھائی کے سودے پر سودا نہ کرے اور نہ ہی کوئی اپنے بھائی کی معنگی پر ممکنی کرے۔“

اگر کسی شخص نے بذریعہ ایجاد و قبول کوئی سودا کمل کر لیا ہے تو اس کے اس سودے پر سودا کرنا حرام ہے۔ اسی طرح اگر کسی شخص کا کسی خاندان میں رشتہ طے ہو چکا ہو تو وہاں اپنے رشتے کی بات چلانا حرام ہے سوائے اس کے کہ پہلا شخص دوسرے کو اجازت دے دے یا وہ اس جگہ نکاح کا ارادہ ترک کر دے۔ امام نوویؒ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

هذه الأحاديث ظاهرة في تحريم الخطبة على خطبة أخيه وأجمعوا على

تحريمها اذ كان قد صرحت للخاطب بالإجابة ولم يأذن ولم يترك (۱۸)

”ان احادیث مبارکہ کے ظاہر سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی مسلمان بھائی کی ممکنی پر ممکنی کرنا حرام ہے اور امت کا اس فعل کی حرمت پر اجماع ہے جبکہ لڑکی والوں نے پیغام بھیجنے والے کے پیغام کو صراحتاً قبول کر لیا ہو اور پہلے شخص نے دوسرے کو نہ تو وہاں پیغام بھیجنے کی اجازت دی ہو اور نہ ہی اس جگہ نکاح کا ارادہ ترک کیا ہو۔“

احناف ایسے فعل کو حرام کی بجائے مکروہ تحریکی کہتے ہیں۔ جمہور اور احناف کے نزدیک اس کی تعریف ایک ہی ہے اور وہ یہ ہے کہ حرام یا مکروہ تحریکی سے مراد ایسا فعل ہے جس کے نہ کرنے کا شارع نے حکم دیا ہو اور اس کے نہ کرنے کو لازم بھی ٹھہرایا ہو۔ اس کے مرتكب کو ملامت کی جائے گی اور اس کو آخرت میں عذاب بھی ہو گا۔ احناف کے نزدیک اگر اس کا علم قطعی ذریعے یعنی قرآن، خبر متواتر یا اجماع سے ہو گا تو یہ حرام ہے اور اگر اس

القلم... جون ۲۰۱۳ء

اقوال رسول ﷺ کی تشریفی حیثیت (321)

کا علم فتنی ذریعے یعنی خبر واحد سے ہو گا تو یہ مکروہ تحریکی ہے۔ جبکہ جمہور اسے حرام ہی کہتے ہیں چاہے قرآن سے اس کا علم حاصل ہو یا خبر واحد سے۔ ائمہ جمہور اور احتجاف کا اس بات پر بھی اتفاق ہے کہ اگر کسی فعل کی حرمت بذریعہ سنت (یعنی خبر واحد) معلوم ہو اور اس سنت کا کوئی شخص انکار کرے تو اس کی تکفیر نہیں کی جائے گی اگرچہ دنیا میں اس کو سخت ملامت کی جائے گی اور آخرت میں وہ عذاب الہی کا مستحق ہو گا۔ اشخ عاصم الحداد لکھتے ہیں:

”اور سب وہ (یعنی احتجاف) اور دوسرا (یعنی مالکیہ، شافعیہ، حنبلہ و راہل الحدیث) یہ کہتے ہیں کہ تکفیر اس شخص کی کی جائے گی جو کسی قطعی دلیل سے ثابت چیز کا انکار کرے اور اس شخص کی تکفیر نہیں کی جائے جو کسی فتنی دلیل سے ثابت چیز کا انکار کرے۔ اسے صرف فاسق یا گمراہ قرار دیا جا سکتا ہے۔“ (۱۹)

۶۔ بعض اوقات نبی کریم ﷺ کا کوئی حکم تدبیری امور سے متعلق ہوتا ہے۔ آپؐ کے ایسے اقوال بھی سنت نہیں ہیں۔ حضرت رافع بن خدنؓ سے مردی ہے:

”اللہ کے نبی ﷺ مدینہ تشریف لائے تو اہل مدینہ بھور کی پیوند کاری کرتے تھے اور وہ کہتے تھے اس طرح فعل زیادہ ہوتی ہے۔ آپؐ نے ان سے دریافت فرمایا: ”تم یہ کیا کرتے ہو؟“ انہوں نے کہا: ہم عرصہ دراز سے ایسا ہی کرتے چلے آئے ہیں۔ آپؐ نے ان سے دریافت فرمایا: ”شاید کہم ایسا ہے کہ وہ تو بہتر ہو۔“ چنانچہ صحابہؓ نے اگلی فعل میں ایسا نہ کیا جس سے پھل کم ہو گیا۔ صحابہؓ نے آپؐ سے اس بات کا تذکرہ کیا تو آپؐ نے ارشاد فرمایا: ((إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ إِذَا أَمْرُتُكُمْ بِشَيْءٍ مِّنْ دِينِكُمْ فَخُذُوهُ إِنَّمَا أَمْرُتُكُمْ بِشَيْءٍ مِّنْ رَأْيِي فَإِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ؟)) ”سوائے اس کے نہیں کہ میں تو ایک انسان ہوں۔ جب میں تمہیں تمہارے دین سے متعلق کوئی حکم دوں تو تم اسے مضبوطی سے پکڑ لوار جب میں تمہیں اپنی ذاتی رائے سے کوئی حکم جاری کروں تو میں بھی ایک انسان ہوں۔“ (۲۰)

یہ حدیث اس مسئلے میں نص صریح ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ کے بعض احکامات تشریع کے لیے نہ تھے۔ جیسے کسی مسئلے میں آپؐ نے بعض صحابہؓ کو دنیاوی امور میں کوئی مشورہ دے دیا ہو یا ان کی رہنمائی کر دی ہو۔ بعض اوقات رسول ﷺ کے احکامات سفارش کی قبلی سے ہوتے ہیں۔ یہ بھی امت کے لیے شریعت نہیں ہیں۔ مثلاً روایات میں آتا ہے کہ حضرت بریرہؓ حضرت عائشہؓ کی لوڈی تھیں جو ایک غلام حضرت مغیثؓ کے نکاح میں تھیں۔ بعد ازاں ایک موقع پر حضرت عائشہؓ نے حضرت بریرہؓ کو آزاد کر دیا۔ شرعی مسئلہ یہ ہے کہ اگر عورت آزاد ہو جائے تو اسے یہ اختیار حاصل ہو جاتا ہے کہ اپنی غلامی کی حالت میں کیے ہوئے نکاح کو برقرار رکھے یا توڑ دے۔ حضرت بریرہؓ نے اپنی آزادی کے بعد اپنے اس اختیار کو استعمال کرتے ہوئے حضرت مغیثؓ کے نکاح میں رہنے سے انکار کر دیا۔ اس پر حضرت مغیثؓ اللہ کے رسول ﷺ کے پاس آئے اور آپؐ سے درخواست کی کہ آپؐ بریرہؓ کو سمجھائیں۔ تو آپؐ نے حضرت بریرہؓ کو بلوا کر کہا:

”اے بریرہ! اللہ سے ڈر وہ تیرا شوہر ہے اور تیرے پچے کا باپ ہے۔ تو حضرت بریرہ نے کہا: اے اللہ کے رسول ﷺ کیا آپ مجھے مغیث کی طرف لوٹ جانے کا حکم دے رہے ہیں؟ تو آپ نے فرمایا: ((لَا، إِنَّمَا أَنَا شَافِعٌ)) ”نمیں میری حیثیت تو ایک سفارشی کی ہے۔“ (۲۱) امام ابن حزم نے اس روایت کو قابل جست قرار دیا ہے۔ (۲۲) امام ابن تیمیہ نے اس کو صحیح کہا ہے۔ (۲۳)

حضرت بریرہ کا آپ کے الفاظِ اُتْقَى اللَّهُ کے باوجود آپ سے سوال کرنا کہ کیا آپ مجھے حکم دے رہے ہیں، یہ واضح کرتا ہے کہ آپ کا ہر حکم شرعی نہیں ہوتا۔

۸۔ بعض اوقات آپ ﷺ کے احکامات قضاۓ متعلق ہوتے ہیں۔ آپ کے ایسے احکامات بھی سنت یعنی صدر شریعت نہیں ہیں۔ آپ ﷺ کا ارشاد ہے:

((إِنَّكُمْ تَخْتَصِّمُونَ إِلَيَّ وَلَعَلَّ بَعْضَكُمُ الْحُنْ بِحُجَّتِهِ مِنْ بَعْضِ فَمَنْ قَضَيْتُ لَهُ بِحَقِّ أَخِيهِ شَيْئًا بِقَوْلِهِ فَإِنَّمَا أَفْطَعُ لَهُ قِطْعَةً مِنَ النَّارِ فَلَا يَأْخُذُهَا)) (۲۴)

”تم میں سے بعض لوگ میرے پاس اپنے جھگڑے لے کر آتے ہیں، اور شاید تم میں سے کوئی ایک زیادہ چرب زبان واقع ہو۔ پس اگر میں کسی ایک شخص کو اس کی چرب زبانی کی وجہ سے اس کے بھائی کے حق میں سے دوں، تو ایسے شخص کو میں آگ کا ایک ٹکڑا کاٹ کر دے رہا ہوں، پس وہ اس کو نہ لے۔“

۹۔ بعض اوقات آپ ﷺ کے احکامات کسی ایک شخص کے بارے میں خاص ہوتے ہیں، لہذا تمام امت کے لیے وہ سنت نہیں ہوتے۔ مثلاً ایک روایت کے الفاظ ہیں:

”حضرت ابو بردہ نے نماز عید سے پہلے قربانی کر لی تو اللہ کے رسول ﷺ نے ان سے فرمایا: ”تم اس کے بد لے میں ایک اور قربانی کرو۔“ تو انہوں نے جواباً کہا: میرے پاس تو صرف ایک جذع (بکری) ہے۔ [حدیث کے راوی شعبہ کہتے ہیں کہ میرے خیال میں انہوں نے یہ بھی کہا تھا کہ وہ (یعنی جذع) دونے سے بہتر حالت میں ہے] تو آپ نے فرمایا: (اجْعَلْهَا مَكَانَهَا وَلَنْ تَجْزِيَ عَنْ أَحَدٍ بَعْدَكَ) ”اس کے بد لے میں جذع (بکری) قربانی کے طور پر دے دو، لیکن یہ (یعنی جذع بکری) تیرے بعد کسی کو (بطور قربانی) کفایت نہیں کرے گی (یعنی بکری کے لیے دو دانتا ہونا ضروری ہے)۔“ (۲۵)

۱۰۔ بعض اوقات رسول ﷺ کی وقتی ضرر کو دور کرنے اور جزوی مصلحت کے حصول کے لیے کوئی حکم جاری کرتے تھے۔ مثلاً اللہ کے رسول نے ایک دفعہ عید الاضحی کے موقع پر صحابہؓ کو حکم دیا کہ وہ قربانی کے جانوروں کا گوشت تین دن سے زائد استعمال نہ کریں۔ حضرت سالمؓ سیدنا عبد اللہ بن عمرؓ سے نقل کرتے ہیں:

آنَ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ نَهَىٰ أَنْ تُؤْكَلَ لُحُومُ الْأَضَاحِيِّ بَعْدَ ثَلَاثَتِ، قَالَ سَالِمٌ

فَكَانَ ابْنُ عُمَرَ لَا يَكُلُّ لِحُومَ الْأَضَاحِيِّ فَوَقَ ثَلَاثٍ (۲۶)

”اللہ کے رسول ﷺ نے قربانی کا گوشت تین دن کے بعد کھانے سے منع کر دیا۔ حضرت سالمؓ کہتے

ہیں کہ حضرت عبد اللہ بن عمرؓ تین دن کے بعد قربانی کا گوشت نکھاتے تھے۔“

لیکن اگلے سال آپؐ نے لوگوں کو تین دن سے زائد بھی قربانی کا گوشت ذخیرہ کرنے کی اجازت دے

دی۔ روایت کے الفاظ ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

”میں نے تم کو تین دن کے بعد قربانی کا گوشت کھانے سے بعض بد و صحابگی وجہ سے منع کیا تھا جو کہ

ہمارے پاس آگئے تھے ((فَكُلُوا وَادْخُرُوا وَتَصَدَّقُوا)) اب تم تین دن کے بعد بھی کھاؤ،  
ذخیرہ کرو اور صدقہ بھی کرو۔“ (۲۷)

۱۱۔ بعض اوقات رسول ﷺ کے احکامات بظاہر مطلق ہوتے ہیں لیکن درحقیقت وہ مطلق نہیں ہوتے۔ ایسے احکامات

اپنے اطلاق میں سنت نہیں ہوں گے۔ مثلاً حضرت عبد اللہ بن عمرؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ:

”ایک خاتون میرے نکاح میں تھیں اور مجھے اس سے محبت تھی، لیکن میرے والد (یعنی حضرت عمرؓ) کو  
وہ خاتون ناپسند تھیں، تو میرے والد نے مجھے حکم دیا کہ میں اس کو طلاق دے دوں۔ میں نے انکار کر  
دیا۔ پھر میں نے اللہ کے نبی ﷺ کے سامنے اس کا تذکرہ کیا تو آپؐ نے فرمایا: (بِيَا عَبْدَ اللَّهِ  
بْنَ عُمَرَ طَلِيقِ اُمَّةِ أَنَّكَ)“ ”اے عبد اللہ بن عمر! اپنی بیوی کو طلاق دے دو۔“ (۲۸)

اس روایت کو امام ترمذی نے ”حسن صحیح“ کہا ہے۔ (۲۹) امام ابن العربي نے ”صحیح“ اور ”ثابت“ کہا

ہے۔ (۳۰) علامہ البانیؒ نے ”حسن“ کہا ہے۔ (۳۱) شیخ احمد شاکر نے اس کی سند کو ”صحیح“ کہا ہے۔ (۳۲)

ایک اور روایت کے الفاظ ہیں کہ اس بارے میں اللہ کے رسول ﷺ نے حضرت عبد اللہ بن عمرؓ کو  
کہا: (أَطْعُ أَبَاكَ) (۳۳) یعنی اپنے باپ کی اطاعت کر۔ اب اس روایت سے یہ مسئلہ نکالتا کہ اگر باپ  
اپنے بیٹے کو حکم دے کہ اپنی بیوی کو طلاق دو تو اس مسئلے میں باپ کی اطاعت مطلقاً واجب ہے، درست نہیں  
ہے۔ اسی طرح امام احمد بن حنبلؓ سے جب اس مسئلے کے بارے میں سوال ہوتا تو آپؐ نے سائل سے کہا: اپنی  
بیوی کو طلاق مت دے۔ اس پر سائل نے جواباً حضرت عبد اللہ بن عمرؓ والا مذکورہ بالا واقعہ سناد یا تو امام احمدؓ نے  
جواب دیا: إِذَا كَانَ أَبُوكَ مِثْلَ عُمَرَ فَطِلَّهَا (۳۴)

”اگر تیرا باپ بھی حضرت عمرؓ کی طرح ہے تو اپنی بیوی کو طلاق دے دے۔“

۱۲۔ بعض اوقات بعض مخصوص حالات میں اللہ کے رسول ﷺ کے حکم پر عمل کرنے میں کسی فتنے کا اندیشہ ہوتا  
ہے جس کے وجہ سے بعض علماء کے نزدیک ان حالات میں آپؐ کے اس حکم پر عمل کرنے سنت عمل شمار  
نہیں ہوتا۔ مثلاً آپ ﷺ کا حکم ہے: (لَا تَمْنُعُوا إِمَاءَ اللَّهِ مَسَاجِدَ اللَّهِ) (۳۵)

”اللہ کی بنیوں (یعنی اپنی بیویوں) کو مسجدوں میں جانے سے مت روکو۔“

اللہ کے رسول ﷺ کے اس فرمان کے باوجود حضرت عمرؓ اپنی بیوی کے مسجد جانے کو ناپسند کرتے تھے اور بعض اوقات اس کا اظہار بھی کر دیتے تھے۔ ایک روایت میں ہے کہ ان کی بیوی سے کہا گیا:

لَمْ تَخْرُجْنَ وَقَدْ تَعْلَمْيْنَ أَنْ عُمَرَ يَكْرَهُ ذِلْكَ وَيَغْعَرُ؟ (۳۶)

”آپ مجید کے لیے گھر سے کیوں نکلتی ہیں جبکہ آپ جانتی ہیں کہ حضرت عمرؓ اس کو ناپسند کرتے ہیں اور اس بات پر غیرت کھاتے ہیں؟“

اسی طرح حضرت عائشہؓ نے جب اپنے زمانے کے فتن کو دیکھا تو کہا:

”اگر اللہ کے رسول ﷺ آج کل کی عورتوں کے حالات دیکھتے: لَمَنْعَهُنَّ كَمَا مُنْعَتْ نِسَاءً بَئِنْ اسْرَائِيلَ تَوَوَّرُتُوْنَ كَمَسْجِدٍ مِنْ جَانِ سَرَائِيلَ كَمِنْعَهُنَّ كَمَا مُنْعَتْ نِسَاءً دیا گیا تھا،“ (۳۷)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آپؐ کے ظاہری حکم کی جن صحابہؓ نے یتاؤ میل کی تھی کہ آپؐ کا اس حکم سے اصل مقصد یہ تھا کہ بنو قریظہ تک جلدی پہنچو یہاں تک کہ ظہر کی نماز وہاں جا کر پڑھو وہ تاؤ میل درست تھی اور آپؐ نے ان کے اس فعل کی اپنی تقریر کے ذریعے تصویب فرمائی۔ علاوه ازیں راستے میں نماز پڑھنے والا گروہ اس لیے افضل ہے کہ اس نے قرآن کے حکم ﴿إِنَّ الصَّلَاةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ كَسَابَةً مَوْقُوتًا﴾ پر بھی عمل کیا۔

اس طرح کی اور بھی بیسیوں روایات ایسی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ صحابہؓ و تابعینؓ نے آپؐ کے ہر حکم کی اتباع کو لازم نہیں سمجھا اور نہ ہی وہ آپؐ کے ہر قول کو شریعت سمجھتے تھے۔ لیکن یہ فرق کرنا کہ آپؐ کے کون سے اقوال کا تعلق تشریع سے ہے اور کون سے اقوال ہمارے لیے شریعت نہیں ہیں۔

### حوالہ جات و حواشی

(۱) الوجيز: ص ۱۶۴، ۱۶۵۔ (۲) سنن أبي داؤد، كتاب النكاح، باب ما يؤمر به من غض البصر۔

(۳) مجموع الفتاوى: جلد ۲۲، ص ۱۲۸۔ (۴) صحيح ابو داؤد: ۲۱۴۸۔

(۵) اصول فقه پر ایک نظر: ص ۲۰۔

(۶) صحيح البخاری، كتاب الصلاة، باب إذا دخل أحدكم المسجد فليركع ركعتين قبل أن يجلس۔

(۷) صحيح البخاری، كتاب الصلاة، باب إذا دخل أحدكم المسجد فليركع ركعتين قبل أن يجلس۔

(۸) صحيح البخاري، كتاب اللباس، باب الخضاب۔

(۹) فتح الباري مع صحيح البخاري، كتاب اللباس، باب الخضاب۔

- (١٠) صحيح البخاري، كتاب الاعتصام بالكتاب والسنّة، باب نهى النبي على التحرير إلا ما تعرف اباحتـهـ.
- (١١) صحيح البخاري، كتاب أحاديث الأنبياء، باب ما ذكر عن بنى إسرائيلـ.
- (١٢) فتح الباري مع صحيح البخاري، كتاب أحاديث الأنبياء، باب ما ذكر عن بنى إسرائيلـ.
- (١٣) الوجيز: ص ٤٨ـ.
- (١٤) صحيح مسلم، كتاب اللباس والزينة، باب استحباب ليس النعل في اليمنى أولاً والخلع من الميسريـ.
- (١٥) شرح النووي مع صحيح مسلم، كتاب اللباس والزينة، باب استحباب ليس النعل في اليمنى أولاًـ.
- (١٦) الوجيز: ص ٥٤ـ.
- (١٧) صحيح مسلم، كتاب النكاح، باب تحرير الخطبة على خطبة أخيه حتى ياذن أو يتركـ.
- (١٨) شرح النووي مع صحيح مسلم، كتاب النكاح، باب تحرير الخطبة على خطبة أخيه حتى ياذن أو يتركـ.
- (١٩) اصول فقه پرائیک نظر، ص ٢٩ـ.
- (٢٠) صحيح مسلم، كتاب الفضائل، باب وجوب امتناع ما قاله شرعا دون ما ذكره من معايشـ.
- (٢١) سنن أبي داؤد، كتاب الطلاق، باب في المملوكة تعتق وهي تحت حر او عبدـ.
- (٢٢) المحلي: جلد ٩، ص ٢٣٤ـ. (٢٣) مجموع الفتاوى: جلد ١، ص ٣١٧ـ.
- (٢٤) صحيح البخاري، كتاب الشهادات، باب من اقام البينة بعد اليدينـ.
- (٢٥) صحيح البخاري، كتاب الاوضاعي، باب قول النبي ﷺ لا يبرد ضح بالجذع من المعرـ.
- (٢٦) صحيح مسلم، كتاب الاوضاعي، باب بيان ما كان من النهي عن اكل لحوم الاوضاعـ.
- (٢٧) صحيح مسلم، كتاب الاوضاعي، باب بيان ما كان من النهي عن اكل لحوم الاوضاعـ.
- (٢٨) سنن الترمذى، كتاب الطلاق، باب ماجاء في الرجل يساله ابوه ان يطلق زوجتهـ.
- (٢٩) سنن الترمذى: ١١٨٩ـ. (٣٠) عارضة الاحوذى، ج ٣، ص ١٣٥ـ.
- (٣١) صحيح الترمذى: ١١٨٩ـ. (٣٢) مسنـد احمد، ج ٧، ص ١٣٢ـ.
- (٣٣) مسنـد احمد: ٤٤٨١ـ. (٣٤) فتاوى الأزهر، جلد ٩، ص ٤٣٩ـ.
- (٣٥) صحيح مسلم، كتاب الصلاة، باب خروج النساء إلى المساجد إذا لم يترب عليه الفتنةـ.
- (٣٦) صحيح البخاري، كتاب الجمعة، باب هل على من لم يشهد الجمعة غسل من النساء والصبيانـ.
- (٣٧) صحيح البخاري، كتاب تفسير القرآن، باب قوله وقاتلواهم حتى لا تكون فتنة ويكون الدين للهـ.

